سورۂ ذاریات

آیاتہا ٦٠ ﴿٥١ سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ٦٧﴾ رکوعاتہا ٣

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اس کی ساٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿١﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ﴿٢﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ﴿٣﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ﴿٤﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿٥﴾ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۭ﴿٦﴾

''قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑا کر بکھیر نے والی ہیں پھر ان بادلوں کی جو (بارش کا) بوجھ اٹھانے والے ہیں پھر کشتیوں کی جو آہستہ چلنے والی ہیں پھر فرشتوں کی جو حکم (الٰہی) سے بانٹنے والے ہیں بے شک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے اور یقیناً جزاء وسزا کا دن ضرور آئے گا''۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿١﴾ ابوبکر انباری نے کہا عبداللہ بن ناجیہ، یعقوب بن ابراہیم سے وہ مکی بن ابراہیم سے وہ جعید بن عبدالرحمن سے وہ یزید بن خصیفہ سے وہ سائب بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی: میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا وہ مشکل القرآن کی تفسیر کے بارے میں پوچھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! مجھے اس پر قدرت دے۔ ایک روز وہ آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ وہ لباس اور عمامہ زیب تن کیے ہوئے تھا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے جب آپ قرآن پڑھنے سے فارغ ہوئے تو وہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا کیا ہے؟ حضرت عمر اٹھے اپنی آستینیں چڑھائیں اور اسے کوڑے مارنے لگے پھر فرمایا: اسے کپڑے پہناؤ، اسے سواری پر سوار کراؤ اور اسے اس کے قبیلہ تک پہنچا دو پھر ایک خطیب کو چاہیے وہ اٹھے اور کہے کہ صبیغ نے علم کی طلب کی اور علم اسے نصیب نہ ہوا یہ اپنی قوم میں سردار تھا تو وہ اپنی قوم میں ذلیل ورسوا ہو گیا۔

عامر بن واثلہ سے مروی ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے پوچھا عرض کی: اے امیر المومنین! وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا کیا چیز ہے؟ فرمایا: تجھ پر افسوس سمجھنے کے لیے پوچھو سرکشی کے طور پر نہ پوچھو۔ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا سے مراد ہوائیں ہیں۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿٢﴾ سے مراد بادل ہیں۔ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿٣﴾ سے مراد کشتیاں ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے مراد فرشتے ہیں۔

حرث نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: وَ الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا سے مراد ہوائیں ہیں (1)۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۞ سے مراد بادل ہیں جو پانی اٹھاتے ہیں جس طرح چوپائے بوجھ اٹھاتے ہیں (2)۔ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۞ سے مراد کشتیاں ہیں جو بوجھ اٹھاتی ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے مراد فرشتے ہیں جو مختلف امور بجالاتے ہیں۔ حضرت جبرئیل امین سختیاں لاتے ہیں، حضرت میکائل رحمت کے حامل ہیں اور ملک الموت موت لاتے ہیں۔ فراء نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مختلف امر لاتے ہیں اس سے مراد خوشحالی، خشک سالی، بارش، موت اور حوادثات ہیں۔ اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے ذَرَتِ الرِّیحُ تَذْرُوْہُ ذَرْوًا و تَذْرِیۃ ذریا۔

پھر یہ کہا گیا ہے: وَ الذّٰرِیٰتِ اور مابعد قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی قسم اٹھاتا ہے تو اس کے لیے شرف کو ثابت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ذاریات کے رب کی قسم! اس کا جواب اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ ہے یعنی جس خیر، شر، ثواب اور عقاب کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ لَصَادِقٌ ۞ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ لَصَادِقٌ کا معنی صدق ہے اسم مصدر کی جگہ واقع ہے وَّ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۞ یعنی جزا تم پر واقع ہو رہی ہے۔ پھر دوسری قسم اٹھائی اور فرمایا: وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۞ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۞ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذاریات سے مراد بچے جننے والی عورتیں ہیں (3) کیونکہ ان کے جننے سے ہی مخلوق پھیلتی ہے کیونکہ وہ اولاد کو بکھیرتی ہیں تو وہ ذاریات ہو گئیں ان کی قسم اٹھائی کیونکہ ان کے سینے کی ہڈیوں میں اس کے صالح بندوں میں سے بہترین لوگ ہوتے ہیں۔ اس کے لیے عورتوں کو خاص کیا مردوں کا ذکر نہیں کیا اگرچہ اولاد دونوں کی ہوتی ہے اس کی دو وجہیں ہیں (۱) کیونکہ وہ ہی ان کی حفاظت کے برتن ہیں جب کہ مردوں کی یہ صورت نہیں کیونکہ دونوں کے نطفے ان عورتوں کے رحم میں جمع ہوتے ہیں اس لیے ان کا خصوصاً ذکر کیا (۲) ان میں نطفہ طویل وقت تک رہا اور مباشرت میں ان کا زمانہ قریب ہے۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۞ اس سے مراد بادل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حاملات سے مراد عورتیں ہیں جب وہ حاملہ ہوتی ہیں (4)۔ وقر واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد کسی وزنی چیز کو پیٹھ یا پیٹ میں اٹھانا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جاء یحمل وقرہ۔ وہ بوجھ اٹھائے ہوئے آیا۔ قد أوقر بعیرہ اس نے اپنے اونٹ پر بوجھ لادا۔ وقر کا لفظ عموماً خچر اور گدھے کے سامان اور وسق کا لفظ اونٹ کے سامان کے لیے بولا جاتا ہے۔ ھذہ امراءۃ موقرۃ جب اس عورت نے بھاری بوجھ اٹھایا ہوا ہو۔

اوقرت النخلۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کا پھل زیادہ ہو۔ یہ کہا جاتا ہے: نخلۃ موقرۃ و موقر و موقرۃ۔ موقر بھی ذکر کیا گیا ہے یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ فعل نخلہ کے لیے ہے۔ اسے موقر کہا گیا ہے یہ قیاس کے مطابق ہے جس طرح تیرا قول امراۃ حامل ہے کیونکہ درخت کا پھل عورتوں کے حمل کے مشابہ ہے۔ جہاں تک موقر کا تعلق ہے یہ خلاف قیاس ہے۔ لبید کے قول میں یہی روایت کیا گیا ہے وہ کھجور کی تعریف کرتا ہے:

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 217
2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 395
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 360
4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 361

عَصَبٌ كَوَارِعُ فِي خَلِيجٍ مُحَلَّمٍ حَمَلَتْ فَمِنْهَا مُوقَرٌ مَكْمُومُ

محل استدلال موقرا ہے۔ اس کی جمع مواقر ہے۔ جہاں تک وقر کا تعلق ہے تو اس سے مراد کان کا بوجھل ہونا ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے قد وَقِرت أُذُنُه توقر وقرا، یعنی وہ بہرا ہو گیا۔ اس کے مصدر میں قیاس تو یہ ہے کہ قاف متحرک ہوتا مگر وہ سکون کے ساتھ آیا ہے۔ اس کے بارے میں بحث سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ مراد کشتیاں ہیں جو ہوا کے ساتھ آسانی سے چلتی ہیں جہاں بھی انہیں چلایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بادل ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کے آسانی سے چلنے کی دو صورتیں ہیں (۱) الله تعالیٰ انہیں جہاں بھی چلائے وہ شہر ہوں یا قطعہ زمین (۲) ان کا آسانی سے چلنا عربوں کے ہاں یہی معروف ہے جس طرح اعشیٰ نے کہا:

كَأَنَّ مِشْيَتَهَا مِنْ بَيْتِ جَارَتِهَا مَشْيُ السَّحَابَةِ لَا رَيْثٌ وَلَا عَجَلُ (1)

گویا اس کا اپنی پڑوسن کے گھر سے چلنا بادل کا چلنا ہے نہ سست روی سے اور نہ تیزی سے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۝ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝ يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۚ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝

"قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں بے شک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہو منہ پھیرے ہے اس (قرآن) سے جس کا منہ ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے۔ ستیا ناس ہو انکل پچو باتیں بنانے والوں کا جو غفلت کے نشہ میں بے سدھ پڑے ہیں وہ پوچھتے ہیں روز جزا کب آئے گا۔ یہ اس دن ہوگا جب وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے وہ جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے"۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں السَّمَآءِ سے مراد بادل ہیں جو زمین کو سایہ کیے ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بلند آسمان ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ساتواں آسمان ہے (2)؛ اسے مہدوی، ثعلبی، ماوردی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے۔ الْحُبُكِ میں سات قول ہیں (۱) یہ حضرت ابن عباس، قتادہ، مجاہد اور ربیع کا قول ہے (3)۔ یعنی خوبصورت و کامل تخلوق والا؛ یہ عکرمہ کا قول ہے کہا: کیا تو کپڑا بننے والے کو نہیں دیکھتا جب وہ کپڑا بنتا ہے اور اس کو اچھی طرح بنتا ہے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: حبك الثوب يحبكه جس نے اس کی اچھی طرح بنائی کی۔ ابن اعرابی نے کہا: ہر وہ چیز جس کو تو مضبوط بنائے اور اس کے عمل کو اچھا کرے تو اس کے لیے کہیں گے احتبكته۔ (۲) خوبصورت؛ یہ حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے: مراد ستاروں والا (4)۔ یہ تیسرا قول ہے (۴) ضحاک نے کہا: راستوں والا۔ پانی اور ریت پر جب ہوا چلے تو اس میں تو جو دیکھتا ہے اسے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 361
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 362
3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 220
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 70

حبک کہتے ہیں۔ اس کی مثل فراء کا قول ہے، کہا: حبک ہر شے کی شکن کو کہتے ہیں جس طرح ریت جس پر پر سکون ہوا چلے، کھڑا پانی جس پر ہوا چلے، لوہے کی زرہ کی شکنوں کو حبک کہتے ہیں۔ دجال کے متعلق حدیث میں ہے ان شعرہ حبک اس کے بال گھنگھریالے ہیں۔ زہیر نے کہا:

مُكَلَّلٌ بأصولِ النَّجمِ تَنسِجُه　　رِيحٌ خَرِيقٌ لِضاحِي مائِهِ حُبُكٌ

لیکن وہ بندوں سے دور ہوتا ہے وہ اسے نہیں دیکھتے۔

(۵) مضبوط: یہ ابن زید کا قول ہے اور اس آیت کو پڑھا وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ (النباء) محبوک سے مراد وہ چیز ہے جو مضبوط جسم والی ہو جس طرح گھوڑا وغیرہ۔ امراء القیس نے کہا:

قد غَدَا يَحْمِلُ لی أنفِهِ لَاحِقُ الإطْلَيْنِ مَحْبُوكٌ مُمَرْ

ایک اور شاعر نے کہا:

مَرِجَ الدِّيْنَ فأعددتُ لَهُ مُشْرِفَ الحارِكِ مَحْبُوكَ الْكَتَدْ

دونوں شعروں میں محبوک کا لفظ مضبوط و محکم کے معنی میں ہے۔

حدیث طیبہ میں ہے ان عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کانت تحتبک تحت الدرع فی الصلاۃ۔(1)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز میں تہبند کو مضبوطی سے باندھا کرتی تھیں۔

(۶) مضبوط بناوٹ والا: یہ خصیف کا قول ہے اس سے ثوب صفیق اور وجہ صفیق ہے۔

(۷) طرق سے مراد آسمان میں کہکشاں ہے اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ گویا یہ کھینچنے کا نشان ہے۔ حبک، حباک کی جمع ہے۔ راجز نے کہا:

كأنَّما جَلَّلَها الحُوَّاكُ　　طنفسة فی وَشْيِها حِبَاكُ(2)

حباک اور حبیکہ سے مراد ریت وغیرہ میں راستہ ہے۔ حباک کی جمع حبک ہے اور حبیکہ کی جمع حبائک آتی ہے جب کہ یہ عبکہ کی طرح ہے یہ ستو کا دانا ہے؛ یہ جوہری سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: ذات الحُبُك، الحُبْك، الحِبِك الحِبْك، الحِبَك، الحِبُك اور انہوں نے اسے الحُبُك پڑھا ہے۔ عکرمہ اور ابو مجلز سے الحُبُك مروی ہے الحُبُك اس کا واحد حبیکہ ہے اور الحُبْك اسی سے مخفف ہے۔ الحِبَك اس کا واحد حِبْکہ ہے جس نے اسے الحُبَك پڑھا ہے اس کا واحد حُبْکہ ہے جس طرح برقہ کی جمع برق ہے یا یہ حُبْکہ کی جمع ہے جس طرح ظُلْمة کی جمع ظلم آتی ہے۔ جس نے اسے الحِبِك پڑھا ہے تو یہ ابل اور اطل کی طرح ہے الحِبْك یہ مخفف ہے جس نے اسے الحِبُك پڑھا تو یہ شاذ ہے کیونکہ کلام عرب میں فِعُل کا وزن نہیں یہ داخل لغات پر محمول ہے گویا حاء کو کسرہ دیا گیا تا کہ باء کو کسرہ دیا جائے پھر الحُبُك کا تصور کیا تو باء کو ضمہ دیا؛ یہ سب تعبیریں مہدوی نے ذکر کی ہیں۔

1۔ سنن بیہقی، جلد 2، صفحہ 235　　2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 220

اِنَّكُمۡ لَفِیۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ ۙ﴿۸﴾ یہ قسم کا جواب ہے جو والسماء ہے یعنی اے اہل مکہ! تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں مختلف رائے رکھنے والے ہو کچھ تصدیق کرنے والے اور کچھ تکذیب کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باہم مال تقسیم کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کا اختلاف یہ تھا کہ آپ جادوگر ہیں نہیں بلکہ شاطر ہیں نہیں بلکہ بہتان لگانے والے ہیں نہیں بلکہ مجنون ہیں نہیں بلکہ کاہن ہیں نہیں بلکہ پہلے لوگوں کے یہ قصے کہانیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ان میں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے حشر کی نفی کی، ان میں سے کچھ نے شک کا اظہار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ مراد بتوں کے پجاری ہیں جو یہ اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے جب کہ عبادت غیروں کی کرتے ہیں (1)۔

یُّؤۡفَكُ عَنۡهُ مَنۡ اُفِكَ ؕ﴿۹﴾ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان سے اسے پھیر دیا جاتا ہے جسے پھیر دیا جاتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جس نے ان کے قول کا یہ ارادہ کیا کہ یہ جادو ہے، کہانت ہے اور پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ان کو ایمان سے پھیر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے اللہ تعالیٰ نے جسے محفوظ رکھا اسے اس اختلاف سے پھیر لیا گیا۔ افکہ، یأفِکه افکا۔ یعنی اسے کسی شے سے پھیر دینا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِكَنَا (الاحقاف:22) مجاہد نے کہا: یُّؤۡفَكُ عَنۡهُ مَنۡ اُفِكَ ؕ﴿۹﴾ کا معنی ہے یُؤفَنُ عنه من أُفِنَ، أفن سے مراد عقل کا فاسد ہونا ہے یعنی جس کا عقل فاسد ہو جاتا ہے اسے اس سے پھیر دیا جاتا ہے۔ زمخشری نے کہا: اسے یُوفَنُ عنه من اُفِنَ پڑھا گیا ہے یعنی اسے محروم رکھا جاتا ہے جسے محروم رکھا گیا۔ یہ اَفَنَ الضَّرۡعَ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے کھیری کا تمام دودھ دوہ لیا۔ قطرب نے کہا: معنی ہے اسے دھوکہ میں رکھا جاتا ہے جسے دھوکہ دیا گیا (2)۔ یزیدی نے کہا: اس سے دور رکھا جاتا ہے جسے دور رکھا گیا۔ معنی ایک ہی ہے سب معانی پھیرنے کے معنی کی طرف لوٹتے ہیں۔

قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ ﴿ۙ۱۰﴾ تفسیر میں ہے کذابوں پر لعنت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: شک کرنے والے قتل ہوں۔ مراد کاہن ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا (3)۔ قُتِلَ کا معنی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی بددعا کرنا واجب ہو چکی ہے۔ فراء نے کہا: قتل کا معنی ہے اس پر لعنت ہو۔ کہا: اَلۡخَرّٰصُوۡنَ سے مراد جھوٹے ہیں جو اس چیز کے بارے میں گمان کرتے ہیں جس کو جانتے نہیں وہ کہتے ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون، کذاب، جادوگر اور شاعر ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) یہ ان کے بارے میں بددعا ہے کیونکہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے وہ مقتول اور ہلاک ہونے والے کے معنی میں ہے۔ ابن الانباری نے کہا: ہم نے ان کے لیے بددعا کی تعلیم دی یعنی یہ کہو قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ۔ یہ خارص کی جمع ہے خرص کا معنی جھوٹ ہے اور خراص سے مراد کذاب ہے اس کا باب یوں چلتا ہے خَرَصَ یَخۡرُصُ خرصا۔ یعنی اس نے جھوٹ بولا۔

کہا جاتا ہے: خَرَصَ، اِخۡتَرَصَ، خَلَقَ، اِخۡتَلَقَ، بَشَكَ، اِبۡتَشَكَ اور مَانَ سب کا معنی جھوٹ بولنا ہے؛ یہ نحاس نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 363 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 71

بیان کیا ہے۔ خرص کا معنی یہ بھی ہے کہ کھجور کے درخت پر جو تر کھجوریں ہیں ان کو خشک کھجوروں کے ساتھ اندازہ سے بیچنا۔ اس کے لیے یہ جملہ بولتے ہیں: وقد خرصت النخل اس کا اسم خرص ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کم خرص نخلك خراص اسے کہتے ہیں جو اس کا اندازہ لگاتا ہے یہ لفظ مشترک ہے۔ خرص کا اصل معنی قطع کرنا ہے جس کی وضاحت سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے؛ اسی سے ایک خریص ہے جو خلیج کے لیے بولا جاتا ہے کیونکہ اس کی طرف پانی الگ ہو جاتا ہے۔ خِرص اور خُرص بال کے ایک دانہ کو کہتے ہیں جب وہ الگ ہو کیونکہ وہ دوسروں سے منقطع ہوتا ہے خرص کا معنی عود ہے کیونکہ وہ اپنی عمدہ خوشبو کی وجہ سے اپنی مثل سے ممتاز ہوتا ہے۔ خرص اسے بھی کہتے ہیں جسے بھوک اور سردی لگی ہو کیونکہ اس کے ساتھ وہ الگ تھلگ ہو جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرص الرجل فھو خرِص یعنی وہ بھوک اور ٹھنڈک کا شکار ہے بھوک ہو سردی نہ ہو اسے خرص نہیں کہتے سردی ہو بھوک نہ ہو اسے خرص کہتے ہیں۔ خرص جب خاء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہو تو مراد سونے یا چاندی کا حلقہ ہے اس کی جمع خُرصان ہے۔ خرص میں نجومیوں کا قول بھی داخل ہوتا ہے اور ہر اس آدمی کا قول بھی داخل ہوتا ہے جو حدس اور تخمینہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کی گھاٹیوں کو باہم تقسیم کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف باتیں کی تھیں مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو ایمان سے پھیر دیں۔

الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ غَمۡرَۃٍ سَاہُوۡنَ ﴿۱۱﴾ غَمۡرَۃٍ اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کو ڈھانپ دے اسی سے نہر غمر ہے یعنی جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے وہ نہر اسے ڈھانپ لیتی ہے؛ اسی سے موت کی سختیاں ہیں۔ سَاہُوۡنَ وہ آخرت کے معاملہ میں لاپرواہی کرنے والے اور غافل ہیں۔

یَسۡـَٔلُوۡنَ اَیَّانَ یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۱۲﴾ وہ سوال کرتے ہیں یوم حساب کب ہوگا؟ وہ یہ بات استہزاء اور قیامت میں شک کے طور پر کرتے ہیں۔ یَوۡمَ ہُمۡ عَلَی النَّارِ یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۱۳﴾ لفظ یوم کو نصب الجزاء کے مقدر ہونے کے اعتبار سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ھذا الجزاء یَوۡمَ ہُمۡ عَلَی النَّارِ یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۱۳﴾ یعنی انہیں جلد بلایا جائے گا۔

یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: فتنت الذھب میں نے سونے کو جلایا تا کہ تو اسے آزمائے۔ فتنہ کا اصل معنی اختبار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مبنی ہے کیونکہ یہ مبنی کی طرف مضاف ہے اس پر نصب سابقہ تقدیر کی بنا پر ہے یا یہ یَوۡمُ الدِّیۡنِ سے بدل کے طور پر منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: وہ کہتا ہے یعجبنی یوم أنت قائم ویوم أنت تقوم۔ اگر تو چاہے تو تو یوم کو نصب بھی دے سکتا ہے یہ محل رفع میں ہے یہ منصوب ہوگا اگرچہ معنی کے اعتبار سے مرفوع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یُفۡتَنُوۡنَ کا معنی ہے انہیں عذاب دیا جائے گا(1)؛ اس معنی میں شاعر کا شعر ہے:

كُلُّ امرِئٍ من عبادِ اللهِ مُضْطَهدٌ ببطنِ مكةَ مقهورٌ و مفتونٌ

مکہ کی وادی میں اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ مظلوم، مغلوب اور عذاب دیا جا رہا ہے۔

ذُوۡقُوۡا فِتۡنَتَکُمۡ انہیں کہا جائے گا: اپنا عذاب چکھو(2)؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: اپنی آگ کا مزا چکھو۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 346 2۔ ایضاً

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی جو تم جھٹلاتے رہے ہو اس کا مزا چکھو۔ فراء نے کہا: اپنا عذاب چکھو۔

هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ یعنی تم دنیا میں جس کی جلدی مچاتے رہے ہو۔ مذکر کی ضمیر ذکر کی مونث کی ضمیر ذکر نہیں کی کیونکہ یہاں فتنہ عذاب کے معنی میں ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾

''البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا، بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے''۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے انجام کا ذکر کیا تو مومنوں کے انجام کا بھی ذکر کیا یعنی مومن ایسے باغوں میں ہوں گے جن میں جاری چشمے ہوں گے یعنی انتہائی پاکیزہ ہوں گے۔ اٰخِذِیْنَ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ان کے رب نے انہیں جو ثواب اور مختلف قسم کی عزتیں عطا فرمائیں، یہ ضحاک کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے کہا: معنی ہے وہ فرائض پر عمل کرنے والے ہیں۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾ یعنی جنت میں داخل ہونے سے قبل دنیا میں وہ فرائض بجالانے والے تھے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے فرائض کے لازم ہونے سے قبل وہ اپنے اعمال میں احسان کرنے والے تھے۔

كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

''یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں) کی بخشش طلب کرتے تھے اور ان کے اموال میں حق تھا سائل کے لیے اور محروم کے لیے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ یَهْجَعُوْنَ کا معنی ہے وہ سوتے ہیں۔ هجوع کا معنی رات کو سونا ہے۔ تهجاع سے مراد ہلکی نیند ہے؛ ابوقیس بن اسلت نے کہا:

قد حصّتِ البیضةُ رأسی فما أطعَمُ نومًا غیرَ تَهجاعِ

خود نے میرے سر کے بال مونڈ دیئے ہیں۔ میں تہجاع (ہلکی نیند) کے علاوہ کوئی نیند نہیں کرتا۔

عمرو بن معدیکرب اپنی بہن کے لیے شوق کا اظہار کرتا ہے جسے صمہ ابو درید بن صمہ نے گرفتار کرلیا تھا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 365

أَمِنْ رَيْحَانَةَ الدَّاعِي السَّمِيعُ يُؤَرِّقُنِي وأَصحابي هُجوعُ

کیا ریحانہ کی جانب سے سنانے والا داعی (شوق) مجھے بیدار رکھتا ہے اور میرے ساتھی سوئے ہوئے ہیں۔

یہ کہا جاتا ہے: هَجَعَ يهجع هجوعا، هبغ، يهبغ هبوغا۔ جب وہ سو جائے؛ یہ جوہری نے کہا۔ ما کی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زائد ہے؛ یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے تقدیر کلام یہ ہے کانوا قليلا من الليل يهجعون یعنی وہ رات کا تھوڑا حصہ سوتے ہیں اور اس کا اکثر حصہ نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

عطا نے کہا: یہ اس وقت ہوا جب انہیں رات کے قیام کا حکم ہوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کمر کس لیتے تھے، عصا پکڑ لیتے تھے اس پر سہارا لیتے یہاں تک کہ رخصت نازل ہوئی قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (مزمل) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما زائدہ نہیں بلکہ قليلا پر وقف ہے پھر مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ سے کلام کا آغاز ہوگا۔ تو ما نافیہ ہوگا ان سے نیند کی مطلقاً نفی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ رات کے وقت بہت ہی تھوڑا سویا کرتے تھے بعض اوقات ان کی طبیعتوں میں نشاط ہوتی تو وہ سحری تک ذکر اذکار میں مشغول رہتے (1)۔ یعقوب حضرمی سے مروی ہے انہوں نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: كَانُوْا قَلِيْلًا اس کا معنی ہے ان کی تعداد تھوڑی تھی، پھر کلام کی ابتدا کی اور فرمایا: مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ یعنی وہ رات سے سوئے ہوئے ہیں۔ ابن الانباری نے کہا: یہ تعبیر فاسد ہے کیونکہ آیت ان کی نیند کی کمی پر دلالت کرتی ہے ان کی تعداد کی کمی پر دلالت نہیں کرتی اس کے بعد اگر ہم مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ سے آغاز کریں جس کا معنی ہے وہ رات سے بیدار رہتے ہیں اس میں ان کے لیے مدح نہیں کیونکہ تمام لوگ رات سوتے رہتے ہیں مگر اس صورت میں ما نافیہ ہو۔

میں کہتا ہوں: بعض لوگوں نے جو تاویل کی ہے یہ ضحاک کا قول ہے کہ ان کی تعداد تھوڑی تھی تو کلام ما قبل کے ساتھ متصل ہوگی جو ما قبل کلام یہ ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ یعنی وہ محسن تھوڑے تھے۔ پھر کلام کو شروع کیا فرمایا: مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ پہلی اور دوسری تاویل کی بنا پر كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ نیا خطاب ہوگا جب کہ پہلا خطاب مکمل ہو چکا تھا اور وقف مَا يَهْجَعُوْنَ پر ہوگا۔ اسی طرح جب تو قَلِيْلًا کو کان کی خبر بنائے اور ما قلیل کی وجہ سے محل رفع میں ہو، گویا فرمایا: رات کے وقت ان کی نیند تھوڑی ہوتی ہے۔ ما کے بارے میں جائز ہے کہ وہ نافیہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے حکم میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کان کے اسم سے بدل ہونے کی بنا پر محل رفع میں ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی کان هجوعهم قليلا من الليل اگر تو ما کو زائدہ تسلیم کیا جائے قَلِيْلًا کو نصب يهجعون کے ساتھ ہوگی، تقدیر کلام یہ ہوگی کانوا وقتا قليلا او هجوعا قليلا يهجعون۔ اگر ما کو زائدہ نہ مانا جائے تو قَلِيْلًا کان کی خبر ہوگی اور اسے يَهْجَعُوْنَ کے ساتھ نصب دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ جب اس کی نصب يَهْجَعُوْنَ کے ساتھ ما کو مصدریہ مقدر ماننے سے ہو تو صلہ موصول سے پہلے آتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور قتادہ نے آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نہیں سوتے؛ یہ ابن وہب کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت انصار کے بارے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 72

میں نازل ہوئی۔ وہ مغرب اور عشاء کی نمازیں مسجد نبوی میں پڑھتے پھر وہ قبا چلے جاتے۔ حضرت محمد بن علی بن حسین نے کہا: وہ عشاء کی نماز پڑھنے سے قبل نہیں سوتے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: گویا ان کی نیند کو نماز کے لیے ان کی بیداری کے مقابلہ میں قلیل شمار کیا۔ حضرت ابن عباس اور مطرف نے کہا: کوئی رات کم ہی ایسی ہوگی جوان پر آتی ہو جس میں وہ نماز نہ پڑھتے ہوں وہ اس کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھتے ہیں یا آخری حصہ میں نماز پڑھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ رات کے وقت نماز پڑھنے والوں میں ایک سے یہ روایت مروی ہے کہ حالت نیند میں ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

وکیف تنامُ اللیلَ عینٌ قریرۃٌ ولم تدرِ فی أیِّ المجالِسِ تنزِلُ

مراد پانے کی خواہش رکھنے والی آنکھ کیسے رات کو سو سکتی ہے وہ نہیں جانتی کہ کون سی مجلس میں جا اترے گی۔

بنو ازد کے ایک بندے سے مروی ہے اس نے کہا: میں رات کو نہیں سوتا تھا میں رات کے آخری پہر سویا تو اچانک میں دو نوجوانوں کے پاس تھا جو میں نے لوگ دیکھے تھے ان میں سے وہ حسین ترین تھے ان کے پاس حلے تھے وہ ہر نمازی کے پاس کھڑے ہوئے اور اسے ایک حلہ پہنایا پھر وہ سونے والوں کے پاس پہنچے اور انہیں حلہ نہ پہنایا۔ میں نے ان دونوں سے کہا: ان حلوں (کپڑوں کا جوڑا) میں سے ایک حلہ مجھے بھی پہنا دو۔ انہوں نے مجھے کہا: یہ لباس کا حلہ نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حلہ ہے جو ہر نمازی پر اترتا ہے۔

ابوخلاد سے مروی ہے اس نے کہا: میرے ایک ساتھی نے مجھے بتایا ایک رات میں سویا ہوا تھا کہ میرے لیے قیامت کا منظر پیش کیا گیا میں نے اپنے بھائیوں میں سے کچھ کو دیکھا ان کے چہرے روشن تھے، ان کے رنگ چمک رہے تھے اور ان پر حلے تھے جو عام مخلوق کے لباس نہیں تھے میں نے کہا: کیا وجہ ہے یہ لوگ لباس پہنے ہوئے ہیں جب کہ لوگ ننگے ہیں، ان کے چہرے روشن ہیں جب کہ لوگوں کے چہرے غبار آلود ہیں؟ تو مجھے کسی کہنے والے نے کہا: جن کو تو نے لباس میں دیکھا ہے وہ اذان اور اقامت کے درمیان نماز پڑھتے تھے، جن کے چہرے روشن ہیں وہ بیداری اختیار کرنے والے اور تہجد پڑھنے والے ہیں۔ میں نے کچھ لوگوں کو عمدہ سواریوں پر دیکھا میں نے پوچھا ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ سوار ہیں جب کہ لوگ پیدل اور ننگے پاؤں ہیں؟ تو ایک کہنے والے نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے اپنے قدموں پر کھڑے رہے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین بدلہ دیا تو میں نے نیند میں چیخ ماری۔ عبادت گزاروں کے لیے مبارک ہو ان کا مقام کتنا معزز ہے پھر میں نیند سے بیدار ہوا تو میں خوفزدہ تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ یہ دوسری مدح ہے وہ اپنے گناہوں کی استغفار کرتے ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے(1)۔ سحری کا وقت ایسا وقت ہے جس میں دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورہ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عمر اور مجاہد نے کہا: وہ سحری کے وقت نماز پڑھتے ہیں تو اس نماز کو

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 73

استغفار کا نام دیا گیا(1)۔ حضرت حسن بصری نے اللہ تعالیٰ کے فرمان كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ کے بارے میں کہا: انہوں نے رات کے پہلے پہر سے سحری تک نماز کو لمبا کیا پھر سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔ ابن وہب نے کہا: یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی وہ قبا سے آتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے۔

ابن وہب، ابن لہیعہ سے وہ یزید بن ابی حبیب سے روایت نقل کرتے ہیں: مراد وہ لوگ ہیں جو چھل کی شرط پر ڈولوں کی مدد سے کچھ انصاریوں کے باغوں کو پانی دیتے پھر تھوڑا سو جاتے اور رات کے آخری پہر نماز پڑھا کرتے تھے۔

ضحاک نے کہا: مراد صبح کی نماز ہے۔ احنف بن قیس نے کہا: میں نے اپنے عمل کو جنتیوں کے اعمال پر پیش کیا تو وہ ایسی قوم تھے جو ہم سے بہت ہی دور تھے ہم ان کے اعمال تک نہیں پہنچ سکتے تھے، وہ راتوں کو کم سوتے تھے۔ میں نے اپنے عمل کو جہنمیوں کے اعمال پر پیش کیا تو وہ ایسی قوم تھے جن میں کوئی بھلائی نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے رسول اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلاتے ہیں ہم نے اپنے میں سے بہترین افراد کو ایسی قوم پایا جنہوں نے اچھے اور برے عمل کو خلط ملط کر دیا۔

مسئلہ نمبر4۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ یہ تیسری مدح ہے۔ محمد بن سیرین اور قتادہ نے کہا: حق سے مراد فرض زکوٰۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں حق سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ ہے جس کے ساتھ وہ صلہ رحمی کرتا ہے، مہمان کی ضیافت کرتا ہے، بے کس کا بوجھ اٹھاتا ہے یا محروم کو غنی کرتا ہے(2)، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی۔ ابن عربی نے کہا: اس آیت کے بارے میں قوی قول زکوٰۃ ہے کیونکہ سورۂ سأل سائل میں ہے وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ حق معلوم سے مراد زکوٰۃ ہی ہے شرع نے جس کی مقدار، اس کی جنس اور اس کے وقت کو بیان کیا ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جو اس کو کہتا ہے وہ معلوم نہیں کیونکہ اس کی مقدار، اس کی جنس اور وقت معلوم نہیں۔

مسئلہ نمبر5۔ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ سائل اسے کہتے ہیں جو اپنے فاقہ کی وجہ سے لوگوں سے سوال کرتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، سعید بن مسیب اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ محروم سے مراد وہ ہے جسے مال سے محروم کر دیا گیا ہو۔ اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس، سعید بن مسیب اور دوسرے علماء نے کہا: محروم سے مراد وہ مجبور آدمی ہے جس کا اسلام میں کوئی حصہ نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: محروم سے مراد وہ محنت مزدوری کرنے والا ہے جس کو اس کی کمائی کفایت نہ کرتی ہو یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل محارَف محدود مسائل والا محروم، یہ تیرے اس قول کی ضد ہے؛ مبارک یہ جملہ بولا جاتا ہے: وقد حُورِف کسب فلان۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کی روزی میں تنگی کر دی گئی ہو، گویا اس کا رزق اس سے پھیر دیا گیا ہے۔

قتادہ اور زہری نے کہا: محروم سے مراد وہ ہے جو لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتا اور اپنی حاجت سے آگاہ بھی نہیں

2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 234　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 366

کرتا۔ حضرت حسن بصری اور محمد بن حنفیہ نے کہا: محروم وہ آدمی ہے جو غنیمت کے حاصل ہونے کے بعد کرتا ہے اور اس مال غنیمت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا (1)۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا انہوں نے دشمن کو پالیا اور مال غنیمت حاصل کیا جب یہ مہم سے فارغ ہو گئے تو کچھ لوگ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عکرمہ نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال باقی نہ ہو۔ زید بن اسلم نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جس کے پھل، کھیتی یا جانوروں کی نسل میں کوئی آفت واقع ہو گئی ہو۔ قرظی نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جسے مصیبت پہنچی پھر اس نے یہ کلمات تلاوت کیے اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ (الواقعہ) اسی کی مثل اصحاب جنت کے قصہ میں ہے جب انہوں نے کہا تھا: بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ (الواقعہ)

ابوقلابہ نے کہا: اہل یمامہ کا ایک آدمی تھا جس کا مال تھا سیلاب آیا تو اس کا مال برباد کر دیا تو اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا: یہ محروم ہے اس کے لیے حصہ مقرر کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو دنیا طلب کرتا ہے اور وہ اس سے اعراض کرتی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ عبدالرحمن بن حمید نے کہا: محروم سے مراد مملوک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کتا ہے ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مکہ مکرمہ کے راستہ میں تھے ایک کتا آیا حضرت عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بکری کا ایک بازو نکالا اور اس کتے کی طرف پھینک دیا فرمایا: لوگ کہتے ہیں یہ محروم ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: محروم وہ ہے جس کے فقر کی وجہ سے اس کا نفقہ اس کے رشتہ داروں پر لازم کر دیا گیا ہو کیونکہ اس کو اس کی ذات کی کمائی سے محروم کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا نفقہ غیر کے مال میں سے لازم ہو جاتا ہے۔

ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد وہ ہے جسے رزق سے محروم کر دیا گیا ہو۔ یہ اچھا قول ہے کیونکہ یہ تمام اقوال کو جامع ہے۔

امام شعبی نے کہا: جب سے میں بالغ ہوا ہوں آج مجھے ستر سال ہو چکے ہیں میں محروم کے بارے میں سوال کرتا رہا ہوں آج میں اس دن سے زیادہ عالم نہیں ہوں۔ شعبہ نے عاصم احول سے وہ امام شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ لغت میں اس کا اصل معنی ممنوع ہے جس کو روک دیا گیا ہو۔ یہ حرمان سے مشتق ہے جس کا معنی روکنا ہے۔ علقمہ نے کہا:

ومُطْعَمُ الغُنْمِ يومَ الغُنْمِ مُطْعَمُهُ أَنَّى تَوَجَّهَ والمحرومُ محرومُ

جس کو غنیمت کا مال کھلایا جاتا ہو غنیمت والے دن اسے غنیمت کا مال کھلایا جاتا ہے وہ جہاں بھی جائے جب کہ جسے روک دیا جائے وہ محروم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فقراء کی جانب سے اغنیاء کے لیے ہلاکت ہے فقراء کھڑے ہوں گے وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! انہوں نے ہمارے ان حقوق کو روک لیا جو تو نے ہمارے حق

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 366

میں ان پر فرض کیے تھے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری عزت و جلال کی قسم! میں تمہیں قریب کروں گا اور انہیں دور کروں گا'' (1)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کیا:

وَفِيٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيٓ اَنْفُسِكُمْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝

''اور زمین میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اہل یقین کے لیے اور تمہارے وجود میں بھی (نشانیاں ہیں) کیا تمہیں نظر نہیں آتا۔ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے (بعینہ اسی طرح) جس طرح تم باتیں کر رہے ہو''۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ جب دونوں فریقوں کے معاملہ کا ذکر کیا تو اس امر کو بیان فرمایا کہ زمین میں ایسی علامات ہیں جو بعث اور نشور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ہر چیز ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے تو پھر وہاں نباتات اگ آتی ہے، ان میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں رزق کو مقدر کیا جو حیوانات کے لیے سہارا ہے، ان میں سے یہ بھی ہے وہ مختلف علاقوں میں جاتے ہیں جن میں ہلاکت کے آثار کو دیکھتے ہیں جو جھٹلانے والی قوموں پر ہلاکت واقع ہوتی تھی۔ موقنین ہی حقیقت میں رب العالمین کی وحدانیت اور اپنے نبی کی نبوت کی صداقت کو پہچاننے والے اور ثابت کرنے والے ہیں ان کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ یہی ان آیات اور ان کے نتائج سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

وَفِيٓ اَنْفُسِكُمْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے وفی الأرض وفی أنفسکم آیات للموقنین۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے جو آدمی زمین میں گھومتا پھرتا ہے تو وہ آیات اور عبرت کی چیزوں کو دیکھتا ہے اور جو اپنی ذات میں غور و فکر کرتا ہے تو اسے علم ہو جاتا ہے کہ اسے اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ ابن زبیر اور مجاہد نے کہا: مراد بڑی، چھوٹی حاجت کا راستہ ہے (2)۔

سائب بن شریک نے کہا: انسان کھاتا پیتا ایک جگہ سے ہے اور یہ چیزیں دو جگہ سے نکلتی ہیں جو آدمی خالص دودھ پیتا ہے تو اسی سے پانی اور اسی سے براز نکلتا ہے۔ یہ نفس آیت ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور تمہارے لیے کان آنکھیں اور دل بنا دیئے ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ (الروم)

سدی نے کہا: وَفِيٓ اَنْفُسِكُمْ سے مراد ہے تمہاری زندگی اور تمہاری موت میں اور جو کچھ تم میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ تم سے نکلتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: شباب کے بعد بڑھاپے میں، قوت کے بعد ضعف میں، سیاہ بالوں کے بعد سفید بالوں میں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے تمہیں پیدا کرنے میں یعنی نطفہ، جما ہوا خون، گوشت کا لوتھڑا اور ہڈی یہاں

1۔ کنز العمال، جلد 6، صفحہ 310 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 367 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 74

تک کہ اس میں روح پھونکی، زبانیں، رنگ اور صورتیں مختلف بنائی ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ظاہری اور باطنی نشانیاں ہیں تیرے لیے دل، ان میں جو عقول رکھ دیئے گئے ہیں، ان میں معانی اور فنون کی جو انواع خاص کر دی گئی ہیں، زبانیں، قوت گویائی، حروف کے مخارج، آنکھیں اور باقی ماندہ تمام اعضاء، ان امور کو بجالانا جن کے لیے انہیں پیدا کیا گیا، جوڑوں سے اعضاء میں جو یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایک طرف مڑ جاتے ہیں اور دوہرے ہو جاتے ہیں جب ان میں سامنے کوئی چیز خشک ہو جائے تو ان میں عجز واقع ہو جاتا ہے اور جب وہ ڈھیلے ہو جائیں تو بے بسی ڈیرا لگالیتی ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ (المومنون)

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ کیا تمہارے دلوں میں بصیرت نہیں کہ تم اس کی کمال قدرت کو پہچان لو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے کیا تم عاجز کی کامیابی اور محتاط کی محرومی نہیں دیکھتے۔

میں کہتا ہوں: جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ عبرت حاصل کرنے میں مراد ہے ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت توحید میں یہ بحث ذکر کر دی ہے کہ بدن انسانی جو عالم صغیر ہے اس میں جو کچھ ہے عالم کبیر میں اس کی مثال موجود ہے ہم نے وہاں قیام کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے حوالے سے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ کافی ہے اور جو آدمی غور وفکر کرتا ہے وہ اسے دوسری بحث سے بے نیاز کر دے گا۔

وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا: یہاں رزق سے مراد وہ چیز ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جیسے بارش اور برف جس کے ذریعے کھیتی اگتی ہے اور مخلوق زندگی پاتی ہے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد ہر جاری چشمہ ہے کیونکہ یہ برف سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے جب آپ بادل دیکھتے تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے: اللہ کی قسم! اس میں تمہارے لیے رزق ہے مگر تم اپنی غلطیوں کی وجہ سے محروم کر دیئے جاتے ہو۔

علماء معانی نے کہا: وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ کا معنی ہے بارش میں تمہارے لیے رزق ہے۔ بارش کو سماء کا نام دیا کیونکہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

إذا سقط السماءُ بأرضِ قومٍ رعيناه وإنْ كانوا غِضَابًا

جب کسی قوم کی سرزمین میں بارش نازل ہوتی ہے تو ہم اس کی گھاس کو چرتے ہیں اگرچہ وہ لوگ بہت ہی غصیلے ہوں۔

ابن کیسان نے کہا: معنی ہے آسمان کے ذمہ تمہارا رزق ہے اس کی مثل یہ ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود: 6) سفیان ثوری نے کہا: اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں آسمان میں تمہارا رزق ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے آسمان میں تمہارے رزق کی تقدیر ہے اور تمہارے لیے جو کچھ ہے وہ ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے۔ سفیان ثوری سے مروی ہے (2) کہ واصل احدب نے ان کلمات وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ کو پڑھا کہنے لگے: خبردار! میں اپنے رزق کو آسمان میں پاتا ہوں اور اسے تلاش زمین میں کرتا ہوں۔ وہ ایک کھنڈر میں داخل ہوئے وہ تین دن تک وہاں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 367

2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 240

رہے کسی چیز کو نہ پایا تیسرے دن انہوں نے تر کھجوروں کی ایک ٹوکری پائی اس کا ایک بھائی اچھی نیت والا تھا وہ اس کے ساتھ داخل ہوا تو وہ دو ٹوکریاں ہوگئیں ان کا یہی طریقہ رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے موت کے ساتھ ان دونوں کے درمیان جدائی پیدا کی۔ ابن محیصن اور مجاہد نے اسے پڑھا وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ اسی طرح اس کے آخر میں پڑھا ان اللہ ھو الرزاق۔

وَمَا تُوعَدُونَ مجاہد نے کہا: مراد خیر اور شر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ دوسروں نے کہا: یہاں اس سے مراد صرف خیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صرف شر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد جنت ہے یہ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے۔ ضحاک نے کہا: وَمَا تُوعَدُونَ سے مراد جنت اور دوزخ ہے(1)۔ ابن سیرین نے کہا: وَمَا تُوعَدُونَ سے مراد قیامت ہے؛ یہ ربیع کا بھی قول ہے۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ

اللہ تعالیٰ نے انہیں بعث بعد الموت اور آسمان میں جس رزق کی تخلیق فرمائی ہے اس کی جو خبر دی تھی اس کو موکد کیا اس پہ یہ قسم اٹھائی کہ یہ حق ہے اور پھر اس فرمان مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ۝ کو موکد کیا اور حواس میں سے نطق کو خاص کیا کیونکہ اس کے علاوہ جو حواس ہیں ان میں مثل (شبہ) محقق ہوسکتی ہے جس طرح آئینہ میں دیکھا جاسکتا ہے جب صفراء کا غلبہ ہو تو چکھنا محال ہوجاتا ہے، اسی طرح کانوں میں دوی اور طنین (بھنبھناہٹ) واقع ہوسکتی ہے، قوت گویائی اس سے محفوظ ہوتی ہے۔ صدائے بازگزشت سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کا حصول اس وقت ہوتا ہے جب گفتگو کرنے والا کلام کرلے اس میں ایسی چیز کی آمیزش نہیں ہوتی جو اس پر معاملہ کو مشتبہ کردے۔

ایک حکیم نے کہا: جس طرح ہر انسان خود بات کرتا ہے اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ غیر کی زبان سے بات کرے اسی طرح ہر انسان اپنا رزق کھاتا ہے اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ غیر کا رزق کھائے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا قاتل اللہ أقواما اقسم لھم ربھم بنفسہ ثم لم یصدقوہ، قال اللہ تعالیٰ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ (2) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی ذات کی قسم اٹھائی پھر بھی انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ۔

اصمعی (3) نے کہا: ایک دفعہ میں بصرہ کی مسجد سے آیا کہ ایک بدو جو اکھڑ مزاج، ترش رو اپنی سواری پر موجود تھا اس نے تلوار گلے میں لٹکائی ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں کمان تھی وہ قریب ہوا اور سلام کیا اس نے پوچھا: تو کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟ میں نے کہا: میں بنی اصمع سے تعلق رکھتا ہوں۔ اس نے پوچھا: تو اصمعی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا: تو کہاں سے آیا ہے؟ میں نے جواب دیا: اس جگہ سے آیا ہوں جہاں رحمن کے کلام کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس نے کہا: رحمن کا کلام ہے جسے لوگ پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اس میں سے کچھ مجھ پر پڑھو تو میں نے اس پر اس سورت کو وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ تک پڑھا اس نے کہا: اے اصمعی! کافی ہے۔ پھر اپنی اونٹنی کی طرف اٹھا اسے ذبح کیا اس کی جلد اتاری اور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 368 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 75 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 400

کہا: اس کے تقسیم کرنے میں میری مدد کرو۔ ہم نے اس کا گوشت آنے جانے والے پر تقسیم کر دیا پھر اس نے تلوار اور کمان کا قصد کیا ان دونوں کو توڑ دیا اور ان دونوں کو کجاوے کے نیچے رکھ دیا اور جنگل کی طرف چل دیا وہ کہہ رہا تھا: وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ میں نے اپنے آپ پر ناراضگی کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو ملامت کی۔ پھر میں نے ہارون الرشید کے ساتھ حج کیا اسی اثنا میں کہ میں طواف کر رہا تھا تو میں ایک کمزوری آواز کے پاس تھا میں متوجہ ہوا تو میں اسی بدو کے پاس تھا وہ انتہائی کمزور اور زرد رنگ والا ہو چکا تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: مجھ پر رحمٰن کا کلام پڑھو اور مقام ابراہیم کے پاس مجھے بٹھا لیا، تو میں نے سورۃ الذاریات پڑھی یہاں تک کہ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ تک پہنچا اس بدو نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہم نے اسے حق پایا ہے۔ اس نے کہا: اس کے علاوہ بھی کلام ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ بدو نے چیخ ماری کہا: سبحان اللہ! کس نے رب جلیل کو غضبناک کیا ہے یہاں تک کہ اس نے قسم اٹھائی کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تصدیق نہ کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قسم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے یہ بات تین دفعہ کہی تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

یزید بن مرثد نے کہا: ایک آدمی کو ایسی جگہ بھوک لگ گئی جہاں کوئی چیز نہ تھی اس نے عرض کی: اے اللہ! جس رزق کا تو نے وعدہ کیا ہے تو وہ مجھے عطا کر تو وہ اسی وقت سیر ہو گیا۔ کھانے اور پینے کے بغیر اس کا پیٹ بھر گیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو أن أحدکم فرّ من رزقه لتبعه کما یتبعه الموت اگر تم میں سے کوئی اپنے رزق سے بھاگتا ہے تو رزق اس کا پیچھا کرتا ہے جس طرح موت اس کا پیچھا کرتی ہے: اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حبہ اور سواء جو خالد کے بیٹے ہیں سے مروی ہے، دونوں نے کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کوئی کام کر رہے تھے ہم نے اس کام میں آپ کی مدد کی آپ نے فرمایا: لا تیأسا من الرزق ما تهززت رؤوسکما فإن الإنسان تلده أمه أحمر لیس علیه قشر ثم یرزقه الله (1) جب تک تمہارے سر حرکت کرتے ہیں (یعنی تم زندہ ہو) تم رزق سے مایوس نہ ہو کیونکہ انسان کو اس کی ماں گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں جنتی ہے اس پر لباس بھی نہیں ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ اسے رزق با ہم پہنچاتا ہے۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ بدو لوگوں میں سے ایک قوم نے کھیتی کاشت کی اسے ایک آفت نے آلیا وہ اس وجہ سے غمگین ہوئے ایک بدوی عورت ان کے پاس آئی اس نے کہا: کیا وجہ ہے تم نے اپنے سر جھکائے ہوئے ہیں، تمہارے سینے تنگ ہو چکے ہیں جب کہ وہ ہمارا رب ہے اور ہمارے بارے میں علم رکھتا ہے، ہمارا رزق اس کے ذمہ ہے وہ ہمیں عطا فرماتا ہے جہاں سے چاہتا ہے پھر وہ یہ شعر پڑھنے لگی:

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب التوکل والیقین، حدیث نمبر 4154، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لوكان فی صخرة فی البحر راسية صمّا ململمة ملسا نواحيها

رزقٌ لنفس برَاهَا لانفلقتْ حتی تودی إليها كُلّ مافيها

أوكان بين طِباقِ السبع مسلكها لَسَهّلَ الله فی المرقی مَرَاقيها

حتّٰی تنال الذی فی اللوح خُطّ لها إنْ لم تنله وإلّا سوف يأتِيها

اگرایسی چٹان جو سمندر میں گڑھی ہوئی ہو اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اس کے اطراف بڑے چکنے ہوں اس میں کسی نفس کا رزق ہو جس نفس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو تو وہ پھٹ جائے گی یہاں تک کہ وہ نفس کو تمام کچھ دے گی جو اس میں ہوگا یا وہ رزق وہاں ہو جس تک پہنچنے کے لیے نفس کو سات آسمان چڑھنا پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نفس کے لیے وہاں چڑھنا آسان بنا دے گا یہاں تک کہ وہ وہ پالے گا جو لوح محفوظ میں اس کے لیے لکھا ہوگا اگر اس نے ابھی تک اسے نہیں پایا تو عنقریب وہ رزق خود اس کو تلاش کرے گا۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں اشعریوں کا قصہ بھی ہے جب انہوں نے اپنا قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اس نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود:6) وہ لوٹ آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو نہ کی اور کہا: اشعری اللہ تعالیٰ کے چوپاؤں سے زیادہ ذلیل نہیں۔ ہم نے اس کا ذکر سورۂ ہود میں کیا ہے۔ لقمان نے کہا: یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ (لقمان:16) یہ بحث سورۂ لقمان میں گزر چکی ہے ہم نے یہ بحث کتاب قمع الحرص بالزهد والقناعة میں مفصل بیان کی ہے۔ الحمدللہ۔

یہی وہ حقیقی توکل ہے جس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں، یہی رب العالمین کے ساتھ لو لگا کر غیر سے دل کو فارغ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور اپنے احسان اور کرم کے ساتھ اپنے سوا کسی اور کے حوالے نہ کرے۔

مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۞ عام قرأت مثل کے نصب کے ساتھ ہے یہ کاف حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یعنی کمثل نطقکم اس میں ما زائدہ ہے؛ یہ بعض کوفیوں کا نقطہ نظر ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے تاکید کے طور پر منصوب ہو، تقدیر کلام یہ ہو لحق حقا مثل نطقک گویا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

سیبویہ کا قول ہے: یہ مبنی ہے کیونکہ یہ مبنی کی طرف مضاف ہے اور ما زائدہ ہے جو تاکید کے لیے ہے۔

مازنی نے کہا: مثل، ما کے ساتھ مل کر ایک شے کے حکم میں ہے، اسی وجہ سے یہ مبنی برفتحہ ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ کہا: کیونکہ عربوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو مثل کو ہمیشہ منصوب بناتے ہیں تو کہتا ہے: قال لی رجلٌ مثلك، مررت برجلٍ مثلَك۔

ابوبکر، حمزہ، کسائی اور اعمش نے مثل کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ حق کی صفت ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے کیونکہ مثل کے لفظ میں اضافت کے باوجود اختصاص پیدا نہیں ہوتا۔

مثل کا لفظ اَنَّكُمْ کی طرف مضاف ہے اور ما زائدہ ہے اس کا مابعد مصدر کے حکم میں نہیں ہوتا کیونکہ اس کے ساتھ

کوئی ایسا فعل نہیں جس کے ساتھ مل کر وہ مصدر ہو جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ لَحَقٌّ سے بدل ہو۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

''اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے (بعینہ اسی طرح) جس طرح تم باتیں کر رہے ہو۔ اے حبیب! کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا آپ نے فرمایا: تم پر بھی سلام ہو (دل ہی دل میں سوچا) بالکل انجان لوگ ہیں پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے لا کر ان کے قریب رکھ دیا فرمایا: کھاتے کیوں نہیں؟ پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے وہ بولے ڈریئے نہیں اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی''۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا تا کہ اس کے ساتھ اس امر کی وضاحت کرے کہ وہ آیات کو جھٹلانے والے کو ہلاک کر دے گا جس طرح اس نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا۔

هَلْ اَتٰىكَ یہ الم یأتك کے معنی میں ہے یعنی کیا تیرے پاس یہ خبر نہیں آئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هَلْ۔ قد کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (الانسان: 1) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں گفتگو سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں گزر چکی ہے۔

الْمُكْرَمِيْنَ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہیں، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ (الانبیاء) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد حضرت جبریل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل ہیں۔ عثمان بن حصین نے یہ زائد ذکر کیا ہے اور حضرت رفائیل علیہم السلام۔

محمد بن کعب نے کہا: حضرت جبریل امین اور ان کے نو ساتھی مراد ہیں۔ عطا اور ایک جماعت نے کہا: یہ تین فرشتے تھے حضرت جبریل، حضرت میکائیل اور ان دونوں کے ساتھ ایک اور فرشتہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں مکرمین اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ خوف زدہ نہیں تھے۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں مکرمین اس لیے کہا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود ان کی خدمت کی تھی۔ عبدالوہاب نے کہا: علی بن عیاض نے مجھے کہا میرے ہاں ہریسہ (ایک کھانا جو گندم اور گوشت کو کوٹ کر بنایا جاتا ہے) ہے آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: میری اس بارے میں بہت اچھی رائے ہے۔ کہا: ہمارے ساتھ چلو، میں گھر میں داخل ہوا آپ نے غلام کو بلایا تو وہ غائب تھا مجھے کسی امر نے مضطرب نہ کیا مگر اس چیز نے کہ انہوں نے پانی والا برتن اور تھال اٹھایا ہوا تھا اور ان کے کندھے پر رومال تھا میں نے بے ساختہ کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ، کاش! میں جانتا اے ابا الحسن کہ معاملہ اس طرح ہے۔ فرمایا:

اپنے اوپر آسانی لاؤ آپ ہمارے ہاں بڑے معزز ہیں۔ مکرم اسے کہتے ہیں جس کی ذاتی طور پر خدمت کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کو دیکھیے: هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ⑭۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا سورۂ حجر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

قَالَ سَلٰمٌ یعنی کہا: تم پر سلام ہو، یہ تقدیر بھی جائز ہے أمری سلام یا ردی لکم سلام۔ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے اسے سِلْم پڑھا ہے یعنی سین مکسور ہے۔

قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ⑮ تقدیر کلام یہ ہے انتم قوم منکرون یعنی تم اجنبی لوگ ہو ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ آپ نے انہیں انسانی شکل میں نہیں دیکھا تھا اور یا انہیں ان فرشتوں کے علاوہ صورت میں دیکھا تھا جنہیں آپ پہچانتے تھے تو آپ نے اجنبی خیال کیا کہا: قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے انہیں اجنبی اس لیے خیال کیا کیونکہ وہ اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس زمانہ اور اس علاقہ میں ان کے سلام کو عجیب خیال کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: آپ ان سے ڈر گئے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: انکرتہ۔ میں اس سے ڈر گیا۔ شاعر نے کہا:

فَأَنْكَرَتْنِي وما كان الذى نَكِرَتْ　مِنَ الحوادِثِ إِلَّا الشَّيْبَ الصَّلَعَا (1)

اس نے مجھے ڈرا دیا جب کہ وہ بڑھاپے اور گنجے پن کے علاوہ کسی چیز سے ڈرنے والا نہیں تھا۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ زجاج نے کہا: آپ اپنے اہل کی طرف گئے۔ سورۃ الصافات میں یہ بحث گزر چکی ہے یہ کہا جاتا ہے: اراغ اور ارتاغ دونوں کا معنی طلب کرتا ہے۔ ماذا تریغ تو کیا ارادہ کرتا ہے اور تو کیا طلب کرتا ہے۔ اراغ الی کذا وہ راز داری سے اس کی طرف مائل ہوا اور راہ راست سے بھٹک گیا۔ اس تعبیر کی بنا پر راغ اور اراغ دو لغتیں ہیں جن کا معنی ایک ہے۔

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ⑯ آپ مہمانوں کے پاس ایسا بچھڑا لائے جس کو ان کے لیے بھونا تھا جس طرح سورۂ ہود میں ہے۔ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ⑲ (ہود) یہ کہا جاتا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر کی طرف گئے جس طرح مہمان سے چوری چھپے کام کرنا چاہ رہے ہوں تا کہ ان کے لیے جو کھانا بنانا چاہتے ہیں وہ ان پر ظاہر نہ ہو۔

فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ بھونا ہوا بچھڑا انہیں پیش کیا۔ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ⑰ قتادہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عمومی مال گائے کی نسل سے تھا آپ نے ان کی زیادہ تعظیم بجالانے کے لیے ایک موٹا بچھڑا لیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک لغت میں عجل کا معنی بکری ہے، قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ صحاح میں ہے: عجل، گائے کے بچے کو کہتے ہیں عجول اسی کی مثل ہے جمع عجاجیل ہے، مونث عجلہ ہے۔ ابو جراح سے مروی ہے: بقرۃ معجل یعنی بچھڑے والی گائے۔ عجل، ربیعہ کا ایک قبیلہ ہے۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ان سے دل میں خوف محسوس کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے کھانا نہ کھایا تو دل میں خوف ہوا۔ لوگوں کا طریقہ یہ تھا جو انسان کسی کا کھانا کھا لیتا تو اس کی جانب سے امن خیال کیا جاتا۔ عمرو بن دینار نے کہا: فرشتوں نے کہا ہم قیمت دے کر ہی کھاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا: کھانا کھاؤ اور اس کی قیمت ادا کر دینا۔ انہوں نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 370　2۔ ایضاً

پوچھا: اس کی کیا قیمت ہے؟ فرمایا: جب تم اسے کھاؤ تو اللہ کا نام لو اور جب تم فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا: اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔ سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیم میں خوف کے آثار دیکھے تو کہا: لَا تَخَفْ اور آپ کو بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور قاصد ہیں۔

وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ آپ کو ایسے بچے کی بشارت دی جو آپ کی زوجہ حضرت سارہ سے پیدا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے یہ بتایا کہ وہ فرشتے ہیں تو آپ نے ان کی تصدیق نہ کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس بچھڑے کو زندہ کر دیا جو آپ نے ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ عون بن ابی شداد نے روایت کی ہے کہ حضرت جبریل امین نے بچھڑے کو اپنا پر مارا وہ چلنے لگا یہاں تک کہ اپنی ماں تک جا پہنچا اور بچھڑے کی ماں گھر میں تھی۔ عَلِیْمٍ کا معنی ہے وہ بالغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا عالم ہوگا۔ جمہور علماء کی رائے ہے کہ جس بچے کی بشارت دی گئی وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت مجاہد نے کہا: وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ یہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (سورۂ ہود: 71) یہ نص ہے۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۰﴾

"پس آئی آپ کی بیوی چیں بجبیں ہو کر اور (فرط حیرت) سے طمانچہ دے مارا اپنے چہرے پر اور بولی (میں) بوڑھی (میں) بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا) انہوں نے کہا: ایسا ہی تیرے رب نے فرمایا ہے، بے شک وہی بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ۔ صَرَّةٍ کا معنی چیخ اور شور ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے اسی سے صریر الباب ہے، جس سے مراد دروازے کی آواز ہے عکرمہ۔ اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد اوہ کا کلمہ کہنا ہے۔ یہاں اقبال سے مراد ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا نہیں۔ فراء نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے اقبل یشتمنی وہ مجھے گالیاں دینے لگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عورتوں کی ایک جماعت میں آئیں تاکہ فرشتوں کی گفتگو سنیں۔ جوہری نے کہا: صرہ کا معنی شور و غل کرنا اور چیخنا ہے اور صرۃ کا معنی جماعت ہے اور صرۃ کا معنی سخت مصیبت ہے۔ امرء القیس نے کہا:

فَاَلْحَقَهٗ　بِالْهَادِیَاتِ　وَدُوْنَهٗ　جَوَاحِرُهَا فِیْ صَرَّةٍ لَمْ تَزَیَّلِ (1)

یہ گھوڑا جب جنگلی گائیوں کے ابتدائی حصہ تک پہنچا اس کے پیچھے والی گائیاں جماعت میں تھیں جو بکھری نہیں۔

یہ شعر تینوں مذکورہ وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ صرۃ القیظ سے مراد اس کی گرمی کی شدت ہے۔ جب حضرت سارہ نے بشارت کو سنا تو اپنے چہرے پر ضرب لگائی یعنی جس طرح عورتوں کی عادت ہوتی ہے وہ تعجب کے وقت اپنے چہرے پر ہاتھ مارتی ہیں؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فَصَكَّتْ وَجْهَهَا اس نے اپنے

1 تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 371

منہ پر طمانچہ مارا۔ صك کا اصل معنی مارنا ہے۔ صكه اس نے اسے مارا۔ راجز نے کہا:

یا کروانا صُكَّ فاکبانا

کروان بھورے رنگ کا پرندہ جو رات کو نہیں سوتا۔

اموی نے کہا: کبنَ الظبی یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب ہرن زمین سے چمٹ جائے۔ اِنبانَ کا معنی بھی یہی ہے۔

وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝ یعنی کیا بوڑھی بانجھ عورت بچہ جنے گی؟ زجاج نے کہا: معنی ہے میں بوڑھی اور بانجھ ہوں میں کیسے بچہ جنوں گی؟ جس طرح کہا: يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوزٌ (ہود:72)

قَالُوا كَذٰلِكِ یعنی بات اسی طرح ہے جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے اور ہم نے تجھے خبر دی ہے۔ قَالَ رَبُّكِ تیرے رب کا فرمان ہے تو اس میں شک نہ کر۔

بشارت اور ولادت کے درمیان ایک سال کا طویل عرصہ تھا حضرت سارہ کی اس سے پہلے اولاد نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے اس وقت بچا جنا جب ان کی عمر نواسی سال تھی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت سو سال تھی۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝ جو کچھ وہ عمل کرتا ہے اس میں حکیم ہے اور مخلوق کی مصلحتوں سے آگاہ ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝

”آپ نے پوچھا: تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے اے فرشتو! وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو جرائم پیشہ ہے تاکہ ہم برسائیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کنکر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لیے (نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال دیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو۔ پس نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے اور ہم نے باقی رہنے دی ایک نشانی ان لوگوں (کی عبرت پذیری) کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں“۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ وہ فرشتے ہیں کیونکہ انہوں نے بچھڑے کو زندہ کر دیا تھا اور بچے کی بشارت دی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا: فَمَا خَطْبُكُمْ تمہارا کیا معاملہ اور کیا قصہ ہے اے بھیجے گئے فرشتو!؟

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ قوم سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں مجرم

قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ یعنی ہم ان پر مٹی کے بنے پتھر برسائیں۔ مُسَوَّمَةً جن پر نشان لگے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر سیاہ اور سرخ خط لگے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ اس میں معروف تھے کہ یہ عذاب کے پتھر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر پتھر پر اس کا نام لکھا ہوا تھا جس نے اس کے ساتھ ہلاک ہونا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر مہریں سی لگی ہوئی تھیں۔ یہ سب بحث سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ پتھر ان کے مسافروں اور بکھرے ہوئے الگ تھلگ لوگوں کا پیچھا کرتے تو ان میں سے کوئی مخبر بھی نہ بچا۔

عِنْدَ رَبِّكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے رجم کا فیصلہ کیا تھا اس کو رجم کرنے کے لیے انہیں تیار کیا۔ پھر کہا گیا: وہ اس طرح پکے ہوئے تھے جس طرح اینٹ پکائی جاتی ہے، یہ ابن زید کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ (الحجر) کا یہی معنی ہے۔ جس کی وضاحت سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ پتھر ہے جسے ہم دیکھتے ہیں جس کی اصل مٹی ہوتی ہے۔ یہ پتھر اس طرح بنتا ہے کہ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ سورج اسے جلا دیتا ہے۔ اسے طین کہا گیا تا کہ یہ علم ہو یہ پانی سے بنا ہوا پتھر نہیں جو اولہ ہوتا ہے؛ قشیری نے یہ بیان کیا ہے۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ جب ہم نے قوم لوط کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان میں سے جو مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا تا کہ مومن ہلاک نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ (الحجر: 65) سے یہی مراد ہے۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ الْمُسْلِمِيْنَ سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور اس کی بیٹیاں ہیں۔ اس میں اضمار ہے تقدیر کلام یہ ہے فما وجدنا فیھا غیر اھل بیت کبھی یہ کہا جاتا ہے بیت شریف اس سے مراد اہل ہوتا ہے۔ فیھا یہ قریہ سے کفایہ ہے اس کا ذکر پہلے نہیں ہوا کیونکہ معنی ذہن میں موجود ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ قریہ پر دال ہے، کیونکہ وہ قوم قریہ میں ہی رہائش پذیر تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھاء کی ضمیر جماعت کے لیے ہے۔ مومنون اور مسلمون یہاں برابر ہیں جنس کا ذکر کیا تا کہ تکرار کی ضرورت نہ پڑے، جس طرح فرمایا:

اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ (یوسف: 86)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے اور اسلام سے مراد ظاہری اطاعت ہے۔ ہر مومن مسلمان ہے اور ہر مسلمان مومن نہیں۔ پہلی آیت میں مومنین کہا کیونکہ ہر مومن مسلمان ہوتا ہے اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا (الحجرات: 14)

یہ ایمان اور اسلام میں فرق پر دلالت کرتا ہے۔ صحیح مسلم اور دوسری کتب میں مذکورہ حدیث جبریل کا مقتضا بھی یہی ہے ہم نے اس کی وضاحت کئی مقامات پر کی ہے۔

وَ تَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً ہم نے اس زمانہ اور ان کے بعد کے زمانہ کے لوگوں کے لیے عبرت اور علامت رکھ دی ہے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾ (العنکبوت) ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیۃ

متروکہ سے مراد برباد بستی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ڈھیر لگے پتھر جن کے ساتھ انہیں رجم کیا گیا وہی آیت ہے۔

لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ خوف کرنے والوں کو اس لیے خاص کیا کیونکہ وہی اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔

وَ فِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ۝

''اور (داستان) موسیٰ میں بھی نشانی ہے جب ہم نے انہیں بھیجا فرعون کی طرف ایک روشن دلیل دے کر پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر اور کہنے لگا: یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ تو ہم نے اس کو اس کے لشکر سمیت پکڑا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ قابل ملامت بن گیا''۔

وَ فِيْ مُوْسٰۤى یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانی چھوڑی ہے۔ فراء نے کہا: اس کا عطف وفی الارض آیات پر ہے۔

اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ سلطان مبین سے مراد واضح حجت ہے وہ عصا کا معجزہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد معجزات ہیں جو عصا اور دوسرے معجزات ہیں۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ ضمیر فاعل سے مراد فرعون ہے اس نے ایمان سے اعراض کیا۔ بِرُكْنِهٖ یعنی اپنی جمعیت اور اپنے لشکروں کے ساتھ، یہ ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد کے قول کا بھی یہی معنی ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ (ہود) یہاں رکن سے مراد قوت اور قبیلہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اپنی قوت کے بل بوتے پر اس معنی میں عنترہ کا قول ہے۔

فما أوهى مراس الحرب ركنى (1)　جنگ کی شدت نے میری قوت کو کمزور نہیں کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بِرُكْنِهٖ سے مراد اس کی ذات ہے۔ اخفش نے کہا: مراد اس کی جانب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ (فصلت:51) یہ مورخ کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: کسی شے کا رکن اس کی اقوی جانب ہوتی ہے۔

اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ (ہود) معنی وہ طاقت و سہارا کی پناہ لیتا ہے۔ قشیری نے کہا: رکن سے مراد بدن کی جانب ہے۔ یہ کسی شے سے اعراض کرنے میں مبالغہ کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔

وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ یہاں او، واؤ کے معنی میں ہے کیونکہ انہوں نے یہ دونوں باتیں کیں: یہ مورخ اور فراء کا نقطہ نظر ہے اور جریر کا یہ شعر پڑھا:

أثعلبة الفوارس أو رياحا　عدلت بهم طهية والخشابا (2)

اس شعر میں او، واؤ کے معنی میں ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 372　　2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 7

او کو واؤ کے معنی میں رکھا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا (الانسان) اس میں او، واؤ کے معنی میں ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (النساء: 3) یہ سب گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ ان کے کفر اور ایمان سے اعراض کے باعث ہم نے انہیں اور ان کے لشکروں کو پکڑ لیا۔

فَنَبَذْنٰهُمْ یعنی ہم نے انہیں پھینک دیا۔ فِی الْیَمِّ وَ هُوَ مُلِیْمٌ یعنی فرعون ملامت کیا گیا کیونکہ اس نے وہ اعمال کیے جن پر ملامت کی جاتی ہے۔

وَ فِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ۚ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ۭ

''اور (قصہ) عاد میں نشان عبرت ہے جب ہم نے ان پر آندھی بھیجی جو خیر و برکت سے خالی تھی نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی''۔

وَ فِیْ عَادٍ ہم نے عاد میں ان لوگوں کے لیے نشانی چھوڑی جو غور و فکر کریں۔

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ سے مراد وہ ہوا ہے جو نہ بادلوں کے بننے کا باعث بنتی ہے نہ درختوں میں ملاقحہ کا عمل کرتی ہے نہ اس میں رحمت، برکت اور منفعت ہوتی ہے اسی سے امرأۃ عقیم ہے جو نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے۔ پھر یہ کہا گیا ہے: اس سے مراد وہ ہوا ہے جسے جنوب کہتے ہیں۔ ابن ابی ذئب نے حرث بن عبد الرحمن سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''ریح عقیم سے مراد جنوب (۱) ہے''(1)۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد دبور ہے، جس طرح صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ''میری مدد صبا سے کی گئی اور قوم عاد دبور (۲) سے ہلاک کی گئی''(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد نکباء (۳) ہے، عبید بن عمیر نے کہا: اس ہوا کا مسکن چوتھی زمین ہے عاد پر صرف اس قدر اسی کو کھولا گیا جس طرح بیل کا نتھنا ہوا کرتا ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول بھی نقل کیا ہے: اس سے مراد صبا ہے(3)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ یعنی ایسی چیز کی طرح جسے ریزہ ریزہ کر دیا گیا ہو۔ جب نباتات خشک ہو جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائے تو اسے کہتے ہیں: رمیم، مشیم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ایسی چیز کی طرح جو ہلاک ہونے والی ہو اور بوسیدہ ہو؛ یہ مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

تَرَكْتَنِي حِينَ كَفَّ الدَّهْرُ مِنْ بَصَرِي وَإِذْ بَقِيتُ كَعَظْمِ الرِّمَّةِ الْبَالِي

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 373

2۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، ما جاء فی قولہ تعالیٰ هو الذی ارسل الریاح، جلد 1، صفحہ 455

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 373

(۱) جنوب کی جانب سے چلنے والی ہوا (۲) پچھوائی ہوا (۳) ٹیڑھی چلنے والی ہوا

تو نے مجھے چھوڑا جب زمانہ نے میری نظر کو روک لیا۔ اور جس میں بوسیدہ ہڈی کی طرح باقی تھا۔

قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جسے خشک نباتات سے ریزہ ریزہ کیا جائے۔ ابو العالیہ اور سدی نے کہا: باریک مٹی کی طرح۔ قطرب نے کہا: رمیم سے مراد راکھ ہے۔ یمان نے کہا: مراد ہے چوپائے جس گھاس کو پھینک دیتے ہیں۔ ہونٹ کو مرمۃ اور مقمہ کہتے ہیں۔ مرمہ بھی اس میں لغت ہے کلمہ کی اصل رم العظم ہے جب وہ بوسیدہ ہو جائے۔ تو اسی سے یہ باب ذکر کرتا ہے رم العظم یرم رمۃ فھو رمیم۔ شاعر نے کہا:

وَرَأَی عَوَاقِبَ خُلْفِ ذَاتَ مَذَمَّةً تَبْقَی علیہِ والعِظَامُ رَمِیمُ

اس نے اس وعدہ کے توڑنے کے انجام میں مذمت دیکھی جو اس پر باقی رہنے والی تھی جب کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں۔

رمۃ جب راء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد بوسیدہ ہڈیاں ہیں اس کی جمع رِمَم اور رِمَامٌ ہے اس کی مثل یہ آیت ہے تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ (الاحقاف:25) جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

وَ فِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿٤٥﴾

''اور واقعہ ثمود میں بھی نشانی ہے جب انہیں کہہ دیا گیا کہ لطف اٹھا لو ایک وقت تک پس انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے تو پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک کڑک نے دراں حالیکہ وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں نہ اٹھنے کی طاقت رہی اور نہ (ہم سے) انتقام لے سکے''۔

وَ فِيْ ثَمُوْدَ یعنی ثمود میں بھی عبرت اور نشانی ہے جب انہیں کہا گیا: تم دنیا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے زندگی گزارو۔ **حَتّٰى حِيْنٍ** ہلاکت کے وقت تک۔ یہ تین دن ہیں۔ جس طرح سورۂ ہود آیت 65 میں ہے **تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: **تَمَتَّعُوْا** کا معنی ہے اسلام لے آؤ اور اپنی اجل کے پورا ہونے تک لطف اندوز ہو لو۔

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ صاعقہ سے مراد موت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہر قسم کا مہلک عذاب ہے۔ حسین بن واقد نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی صاعقہ کا لفظ ہے اس سے مراد عذاب ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حمید، ابن محیصن، مجاہد اور کسائی نے الصَّعْقَہ پڑھا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: صعق الرجل صعقۃ و تصعاقا اس پر غشی چھا گئی۔ صعقتھم السماء جب آسمان ان پر عذاب نازل کرے۔ صاعقہ کا معنی عذاب کی چیخ ہے۔ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ **وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ** ﴿٤٤﴾ وہ دن کے وقت اسے دیکھ رہے تھے۔ **فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیام کا معنی اٹھنا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طاقت نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اٹھا سکیں اور اس کے ساتھ اٹھ سکیں اور اپنی ذاتوں سے اسے دور کر سکیں۔

1۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 240

تو کہتا ہے: لا أقوم لهذا الأمر میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے جسم ختم ہو جائیں گے اور ان کی روحیں عذاب میں باقی رہیں گی۔

وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ جب انہیں ہلاک کیا جائے گا تو وہ عذاب سے محفوظ نہیں ہوں گے یعنی ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

''اور قوم نوح کا اس سے پہلے (یہی حشر ہوا) بے شک وہ لوگ بھی (پرلے درجے کے) نافرمان تھے''۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ حمزہ، کسائی اور ابو عمرو نے اسے وقومِ نوحٍ پڑھا ہے یعنی قوم کے لفظ کو جر دی ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بھی نشانی ہے۔ باقی قراء نے اس پر نصب پڑھی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وأهلكنا قومَ نوحٍ یا اس کا عطف أخذتهم کی هم ضمیر پر ہے یا أخذناه کی ہ ضمیر پر ہے۔ معنی یہ بنے گا انہیں صاعقہ نے پکڑ لیا اور اس نے قوم نوح کو پکڑ لیا یا ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا اور قوم نوح کو پھینک دیا یا یہ اذکر کے معنی میں ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

''اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے فرش بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تا کہ تم غور و فکر کرو''۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ جب ان آیات کو بیان کیا تو فرمایا: آسمان میں آیات اور عبرتیں ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ صانع کمال پر قادر ہے۔ سماء کے امر کو قوم نوح کے قصہ پر عطف کیا کیونکہ یہ دونوں آیات ہیں۔ بِاَيْىدٍ کا معنی ہے قوت اور قدرت کے ساتھ؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔

وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم قادر ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم وسعت والے ہیں انہیں اور غیر کو پیدا کرنا ہم پر کوئی مشکل نہیں ہوتا جس کو پیدا کرنے کا ہم ارادہ کر لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اپنی مخلوق پر اپنا رزق وسیع کرنے والے ہیں؛ یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: ہم اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ہم بارش کے ذریعے رزق کو وسیع کرنے والے ہیں (2)۔ ضحاک نے کہا: ہم نے تمہیں غنی کر دیا ہے؛ اس پر دلیل عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ (البقرہ: 236) ہے۔ قتبی نے کہا: ہم اپنی مخلوق پر وسعت والے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے آسمان اور زمین کے درمیان وسعت رکھ دی ہے۔ جوہری نے کہا: أوسع الرجل سے مراد ہے وہ وسعت اور غنا والا ہوگا؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ (الذاریات) یعنی ہم غنی اور قادر ہیں؛ تو یہ تمام اقوال کو شامل ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 181 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 229

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا یعنی ہم نے زمین کو پانی پر بچھا دیا جس طرح بستر بچھایا جاتا ہے اور ہم نے اسے پھیلا دیا۔ **فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ** یعنی ہم اس کو کتنا اچھا بچھانے والے ہیں۔ سب میں تعظیم کا معنی پایا جاتا ہے۔ مہدت الفراش مھدا میں نے بستر کو بچھا دیا۔ تمہید الامور سے مراد ان کو درست کرنا ہے۔

وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ یعنی دو مختلف صنفیں اور نوعیں بنائیں۔ ابن زید نے کہا: یعنی مذکر اور مونث، میٹھی اور کڑوی اور اسی کی مثل بنایا(1)۔ مجاہد نے کہا: مذکر اور مونث، آسمان اور زمین، سورج اور چاند، رات اور دن، نور اور ظلمت، میدان اور پہاڑ، جن اور انسان، خیر اور شر، صبح اور شام اور ایسی اشیاء جو مختلف ہیں ذائقوں، خوشبوؤں اور رنگوں میں یعنی ہم نے اسے اسی طرح بنایا ہے یہ ہماری قدرت پر دال ہیں۔ جو اس پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ** تاکہ تمہیں علم ہو جائے کہ جوڑوں کا خالق فرد ہے اس کی صفت میں حرکت و سکون، ضیاء و ظلمت، قعود و قیام، ابتدا و انتہا کو مقدر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ** تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ﴿۵۰﴾ وَ لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۚ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ٘﴿۵۴﴾ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۵﴾

"پس دوڑو اللہ کی طرف (اور اس کی پناہ لے لو) بے شک میں تمہیں (اس کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود، بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ۔ کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی (نہیں) بلکہ یہ لوگ سرکش ہیں پس آپ ان سے رخ انور پھیر لیجئے آپ پر کوئی الزام نہیں اور آپ سمجھاتے رہیے یقیناً سمجھانا اہل ایمان کے لیے فائدہ بخش ہے"۔

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ امتوں نے انبیاء کی جو تکذیب کی اور ان امتوں کو ہلاک کیا گیا اس کا ذکر ہو چکا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا: اے محمد! انہیں کہو یعنی اپنی قوم سے کہو اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو میں تمہیں واضح خبردار کرنے والا ہوں۔ یعنی اس کے معاصی سے اس کی طاعت کی طرف بھاگو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے: اس سے اس کی طرف بھاگو اور اس کی اطاعت کرو۔ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان نے کہا: **فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ** سے مراد ہے مکہ مکرمہ کی طرف نکلو۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 181

حسین بن فضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے بچو جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کی طرف بھاگا تو وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔

ابوبکر وراق نے کہا: شیطان کی طاعت سے رحمن کی طاعت کی طرف بھاگو۔ حضرت جنید بغدادی نے کہا: شیطان باطل کی طرف دعوت دیتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو وہ تمہیں شیطان سے بچا لے گا۔ ذوالنون مصری نے کہا: جہالت سے علم کی طرف، کفر سے شکر کی طرف بھاگو۔ عمرو بن عثمان نے کہا: اپنے نفوس سے اپنے رب کی طرف بھاگو۔ یہ بھی کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے حق میں جو فیصلہ ہو چکا ہے اس کی طرف بھاگو اپنی حرکتوں پر اعتماد نہ کرو۔ سہل بن عبداللہ نے کہا: غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو(1)۔

اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ کفر اور معصیت پر میں تمہیں اس کے عقاب سے ڈراتا ہوں۔

وَ لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ یہ لوگوں سے کہیں جب کہ آپ نذیر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کو خطاب ہے۔ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ یعنی میں (اللہ) تمہیں محمد ﷺ اور اس کی تلواروں سے نَذِیْرٌ یعنی میں تمہیں اس کی پکڑ اور تلوار سے خبردار کرنے والا ہوں اگر تم میرے ساتھ شرک کرو؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی جس طرح تیری قوم نے تجھے جھٹلایا اور کہا: آپ ساحر و مجنون ہیں ان سے قبل لوگوں نے بھی جھٹلایا اور اسی کی مثل قول کیا۔ كَذٰلِكَ میں جو کاف ہے اس کو نصب اس تقدیر کی بنا پر ہو أنذر کم إنذارا کإنذار من تقدمني من الرسل الذين أنذروا قومهم یا یہ مرفوع ہو تقدیر کلام ہو الامر کذلك۔

پہلی صورت میں ان لوگوں کو ڈرانا ہے جنہوں نے موحد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ دوسری صورت میں ملحدین میں سے جنہوں نے شرک کیا۔ کذلك کے بارے میں گفتگو یعقوب وغیرہ سے مروی ہے۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ یعنی پہلوں نے بعد والوں کو جھٹلانے کی وصیت کی(2) اور اس پر موافقت کی یہاں ہمزہ استفہام توبیخ اور تعجب کے اظہار کے لیے ہے۔ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ یعنی ان میں سے بعض نے بعض کو وصیت نہیں کی بلکہ طغیان نے سب کو جمع کر دیا۔ یہ کفر میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ان سے اعراض کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے۔ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملامت کیے گئے نہیں کیونکہ رسالت کی تبلیغ کا جو فریضہ آپ پر لازم تھا اس کو آپ نے ادا کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ یہ منسوخ ہے وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

پہلا قول ضحاک کا ہے کیونکہ آپ کو حکم دیا گیا کہ نصیحت کرنے کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ مجاہد نے کہا: فَتَوَلَّ

1۔ تفسیر سلمی، جلد 2، صفحہ 276، دارالکتب العلمیہ
2۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 241

عَنْهُمْ ان سے درگزر کیجئے۔ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ آپ کا رب آپ پر کسی کوتاہی کی وجہ سے ملامت نہیں کرے گا جو آپ سے صادر ہوئی۔ وَّذَكِّرْ نصیحت انہیں یاد دلائیے کیونکہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔ قتادہ نے کہا: قرآن ان کے سامنے پڑھیے کیونکہ قرآن پڑھنا مومنوں کو نفع دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں عذاب اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ یاد دلائیے۔ یہاں مومنوں کا خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ مومن ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

''اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ میں طلب کرتا ہوں ان سے رزق اور نہ یہ طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا، قوت والا اور زور والا ہے۔ پس ان ظالموں کے لیے عذاب کا ویسا ہی حصہ ہے جیسا ان کے ہم مشربوں کو حصہ ملا تھا پس یہ جلد بازی نہ کریں۔ پس تباہی ہے ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا اس دن سے جس کا (ان سے) وعدہ کیا گیا ہے''۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشاد ان کو خاص ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ لفظ عام ذکر کیا اور مراد خاص ہے۔ معنی ہے میں نے جن وانس میں سے اہل سعادت کو پیدا نہیں کیا مگر اسی لیے کہ وہ میری توحید کا اقرار کریں۔ قشیری نے کہا: آیت میں تخصیص قطعی طور پر داخل ہے کیونکہ مجنوں اور بچوں کو عبادت کا حکم نہیں دیا گیا یہاں تک کہ یہ بات کہی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عبادت کا ارادہ کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (الاعراف: 179) جو لوگ جہنم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں وہ عبادت کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ پس مذکورہ آیت ان میں سے مومنین پر محمول ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس فرمان کی طرح ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا (الحجرات: 14) یہ بات بدوؤں میں سے ایک جماعت نے کہی تھی؛ اس کا ذکر ضحاک، کلبی، فراء اور قتبی نے کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں وما خلقت الجن والانس من المومنین إلا لیعبدون ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: معنی ہے میں نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ میں انہیں عبادت کا حکم دوں (1)؛ زجاج نے اس قول پر اعتماد کیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 230

اِلٰهًا وَّاحِدًا (توبہ:31) اگر یہ سوال کیا جائے۔ انہوں نے کفر کیسے کیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی ربوبیت کا اقرار اور اس کے امر اور مشیت کے سامنے عاجزی کرنے کے لیے پیدا کیا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف جو قضا کا فیصلہ کیا اس کے سامنے وہ سرافگندہ ہوئے کیونکہ اس کی قضا تو ان پر جاری ہے وہ اس سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس نے کفر کیا اس نے ان کی اس عمل میں مخالفت کی جس کے بجالانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا جہاں تک اس کی قضا کے سامنے عجز کا اظہار ہے اس کی جانب سے غیر ممتنع ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کا معنی ہے مگر وہ میرے لیے خوشی سے یا مجبوراً عبادت کا اقرار کریں (1)؛ اسے علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کرہ سے مراد ہے جو ان میں اس کی صنعت کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اس لیے تا کہ وہ میری پہچان کریں (2)۔ ثعلبی نے کہا: یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ اگر وہ انہیں پیدا نہ کرتا تو اس کے وجود اور اس کی توحید کی پہچان نہ ہوتی۔ اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف:87) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ (الزخرف) اور اسی طرح کی دوسری آیات ہیں۔

مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: مگر اس لیے کہ میں انہیں حکم دوں اور انہیں نہی کروں۔ زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد ہے جس شقاوت اور سعادت پر انہیں پیدا کیا گیا جنوں اور انسانوں میں سے سعادت مند عبادت کے لیے پیدا کیے گئے اور ان میں سے بدبخت معصیت کے لیے پیدا کیے گئے (3)۔ کلبی سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے مگر اس لیے کہ وہ میری وحدانیت کو بیان کریں۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو وہ تنگ دستی اور خوشحالی میں اس کی توحید کا بیان کرتا ہے جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ صرف سختی اور مصیبت میں اس کی توحید کا بیان کرتا ہے انعام اور خوشحالی کے زمانہ میں اس کی توحید بیان نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (لقمان:32)

عکرمہ نے کہا: معنی ہے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں اور اطاعت کریں پس میں عبادت گزار کو بدلہ دوں گا اور منکر کو عذاب دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مگر اس لیے کہ میں انہیں اپنا بندہ بنالوں۔ معنی قریب قریب ہے۔

عبودیت کا اصل معنی عاجزی ہے اور تعبیر کا معنی کسی کو مطیع بنانا ہے یہ لفظ بولا جاتا ہے: طریق معبد وہ راستہ جس پر عام چلا جائے۔ شاعر نے کہا:

وَظِيفًا وَظِيفًا فوقَ مَوْرٍ مُعَبَّدِ　اس نے ہموار راستہ پر قدم پر قدم رکھا۔

تعبید کا معنی استعباد بھی ہے جس سے مراد اسے بندہ بنالینا ہے اسی طرح اعتباد ہے عبادت کا معنی طاعت ہے اور تعبد کا

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 17　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 230　3۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 16

معنی عبادت کرنا ہے لیعبدون کا معنی ہے کہ وہ عاجزی کریں اور عبادت کریں۔

مَاۤ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ، مِنۡ زائدہ ہے میں ان سے رزق کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ میں رازق اور عطا کرنے والا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوالجوزاء نے کہا: معنی ہے میں یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے آپ کو رزق دیں اور نہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو کھلائیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میں یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ میرے بندوں کو رزق دیں اور نہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ انہیں کھلائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ابن محیصن اور دوسرے قراء نے اسے الرازق پڑھا ہے۔

ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ۝ یعنی شدید اور قوی۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب اور نخعی نے المتین کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ قوت کی صفت ہے۔ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ رزاق یا ذو کی صفت ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ ان کے اسم کی صفت ہے اس کے محل کے اعتبار سے یا یہ خبر کے بعد خبر ہے۔ فراء نے کہا: حق تو یہ تھا کہ لفظ المتینہ ہوتا اسے مذکر ذکر کیا کیونکہ یہ مضبوط و محکم شی کی طرف لے جاتا ہے یہ کہا جاتا ہے: حبل متین۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

لِكُلِّ دَهْرٍ قَدْ لَبِسْتُ أَثْوُبَا حَتَّى اكْتَسَى الرَّأْسُ قِنَاعًا أَشْيَبَا

مِنْ رِيطَةٍ وَالْيُمْنَةَ الْمُعَصَّبَا (2)

یہاں المعصب کو مذکر ذکر کیا ہے کیونکہ یمنۃ کپڑے کی ایک قسم ہے اسی باب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ (بقرہ: 275) مَوۡعِظَةٌ سے مراد وعظ ہے وَاَخَذَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ (ہود: 67) الصَّيۡحَةُ سے مراد صیاح اور خوبصورت (آواز) ہے۔

فَاِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا اہل مکہ میں سے جنہوں نے کفر کیا۔ ذَنُوۡبًا مِّثۡلَ ذَنُوۡبِ اَصۡحٰبِهِمۡ عذاب کا حصہ جس طرح سابقہ امتوں میں سے کفار کا حصہ ہوتا تھا۔ ابن اعرابی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے یوم ذنوب ایسا دن جس کا شر طویل ہو جو ختم نہ ہو۔ لغت میں ذَنُوۡبِ کا اصل معنی عظیم ڈول ہے۔ وہ پانی نکالتے اور اسے حصہ پر تقسیم کر دیتے پس ذنوب سے مراد حصہ لیا گیا؛ راجز نے کہا:

لَنَا ذَنُوْبٌ وَلَكُمْ ذَنُوْبٌ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَلَنَا الْقَلِيبُ (3)

ہمارے لیے حصہ ہے اور تمہارے لیے حصہ ہے اگر تم انکار کرو تو ہمارے لیے کنواں ہے۔

جوہری نے کہا: ذنوب سے مراد ایسا گھوڑا ہے جس کی دم لمبی ہو۔ ذنوب کا معنی حصہ ہے اور ذنوب سے مراد پشت کے نیچے والے حصہ کا گوشت ہے۔ ذنوب سے مراد ایسا ڈول ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔ ابن سکیت نے کہا: ایسا ڈول جس میں پانی ہو بھرنے کے قریب ہو۔ یہ مونث اور مذکر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے جب وہ پانی سے خالی ہو تو اسے ذنوب نہیں کہتے۔ اس کی جمع قلت أذنبة اور جمع کثرت ذنائب آتی ہے جس طرح قلوص اور قلائص ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 17 2۔ ایضاً، جز 27، صفحہ 18 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 183

فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ وہ اپنے اوپر عذاب کے نازل ہونے کی جلدی نہ کریں، کیونکہ انہوں نے کہا تھا: اے محمد! فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (الاعراف) غزوۂ بدر کے موقع پر ان پر وہ چیز نازل ہوئی جس نے ان کے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور ان سے جلدی انتقام لے لیا۔ پھر ان کے لیے آخرت میں دائمی عذاب اور ہمیشہ رہنے والی رسوائی ہے جو ختم نہ ہوگی اور جس کی نہ کوئی انتہا ہے۔